ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 414

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

ISLAMABAD ,ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: ڈیموگرافی (414) • Course: Demography (414)

سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری • Level: B.A. / Associate Degree

سمسٹر: خزاں 2026ء • Semester: Autumn 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1–4) • Assignment No. 1 (Units 1–4)

کل نمبر: 100

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(Reference &For Study)

حل شدہ مشق رہنما — برائے مطالعہ و حوالہ

نوٹ: یہ رہنما صرف مطالعے اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔ اس رہنما کو ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں؛ اپنے الفاظ میں لکھا گیا جواب ہی سیکھنے اور اچھے نمبروں کا ذریعہ بنتا ہے۔

سوال نمبر 1: ڈیموگرافی کا دائرہ کار اور ترقی و منصوبہ بندی میں اس کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 1: ڈیموگرافی کے دائرہ کار (Scope) کو بیان کریں اور وضاحت کریں کہ یہ علم کسی معاشرے کی ترقی اور منصوبہ بندی میں کس طرح معاون ثابت ہوتا ہے۔

(20)

تعارف

ڈیموگرافی وہ علم ہے جو انسانی آبادی کا سائنسی مطالعہ کرتا ہے۔ اس میں آبادی کے حجم، اس کی ساخت، اس کی تقسیم اور وقت کے ساتھ اس میں آنے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یونانی زبان کے دو الفاظ ڈیموس یعنی عوام اور گرافی یعنی تحریر یا بیان سے مل کر بنا ہوا یہ لفظ سب سے پہلے انیسویں صدی میں استعمال ہوا اور آج یہ سماجی علوم کی ایک باقاعدہ اور اہم شاخ بن چکا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اپنی آبادی کو سمجھے بغیر نہ اپنی موجودہ حالت کا درست اندازہ لگا سکتا ہے اور نہ مستقبل کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے، اسی لیے ڈیموگرافی کی اہمیت ہر دور میں بڑھتی چلی گئی ہے۔

آبادی ہر معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے کیونکہ تمام معاشی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز انسان ہی ہے۔ کتنے لوگ کسی علاقے میں رہتے ہیں، ان کی عمریں کیا ہیں، ان میں مرد اور خواتین کا تناسب کیا ہے، وہ کن پیشوں سے وابستہ ہیں اور ان کی تعداد کس رفتار سے بڑھ یا گھٹ رہی ہے، یہ تمام سوالات ڈیموگرافی کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس سوال میں پہلے ڈیموگرافی کا دائرہ کار تفصیل سے بیان کیا جائے گا اور پھر یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ علم معاشرے کی ترقی اور منصوبہ بندی میں کس طرح معاون ثابت ہوتا ہے، تاکہ طالب علم کو اس مضمون کی وسعت اور عملی افادیت دونوں کا مکمل اندازہ ہو سکے۔

ڈیموگرافی کی تعریف اور بنیادی مفہوم

ماہرین نے ڈیموگرافی کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ایک عام تعریف کے مطابق ڈیموگرافی انسانی آبادی کے حجم، علاقائی تقسیم اور ترکیب کا مطالعہ ہے جس میں پیدائش، اموات، نقل مکانی، شادی اور اسی نوعیت کے دیگر عملوں کے ذریعے آنے والی تبدیلیوں کا جائزہ بھی شامل ہے۔ ایک اور تعریف کے مطابق یہ علم آبادی سے متعلق اعداد و شمار کو جمع کرتا ہے، ان کا تجزیہ کرتا ہے اور ان کی بنیاد پر آبادی کے رجحانات اور مستقبل کی پیش گوئی کرتا ہے۔ ان تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈیموگرافی صرف گنتی کا نام نہیں بلکہ گنتی کے پیچھے چھپے ہوئے اسباب اور نتائج کو سمجھنے کا نام بھی ہے۔

ڈیموگرافی کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ باقاعدہ یا خالص ڈیموگرافی ہے جو آبادی کے اعداد و شمار، شرحوں اور پیمائش کے طریقوں سے بحث کرتا ہے، مثلاً شرح پیدائش، شرح اموات، شرح افزائش اور متوقع عمر کی پیمائش کیسے کی جاتی ہے۔ دوسرا حصہ وسیع تر سماجی ڈیموگرافی ہے جو آبادی کے عوامل کا معاشرے کے دیگر شعبوں جیسے معیشت، تعلیم، صحت، خاندان، سیاست اور [illegible] کے ساتھ تعلق کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہی دوسرا حصہ ڈیموگرافی کو سوشیالوجی، معاشیات، جغرافیہ اور سیاسیات جیسے مضامین سے جوڑتا ہے اور اسے ایک بین المضامین علم بناتا ہے۔

ڈیموگرافی کے دائرہ کار کے اہم شعبے

ڈیموگرافی کے دائرہ کار کا پہلا اہم شعبہ آبادی کا حجم اور اس کی افزائش ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک یا علاقے کی کل آبادی کتنی ہے، وہ کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اور مستقبل میں اس کے کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے، یہ معلومات انتہائی اہم ہیں کیونکہ خوراک، رہائش، روزگار اور خدمات کی تمام منصوبہ بندی اسی بنیاد پر ہوتی ہے۔ دوسرا شعبہ آبادی کی ساخت ہے جس میں عمر اور جنس کی تقسیم، ازدواجی حیثیت، تعلیمی سطح، پیشہ ورانہ تقسیم اور شہری و دیہی تقسیم کا مطالعہ شامل ہے۔ ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی میں بچے، نوجوان، کام کرنے والے افراد اور بزرگ کس تناسب میں ہیں۔

تیسرا شعبہ آبادی کی حرکت اور تبدیلی کے عوامل ہیں جن میں پیدائش، اموات اور نقل مکانی شامل ہیں۔ انہیں آبادی کی تبدیلی کے تین بنیادی عناصر کہا جاتا ہے کیونکہ آبادی میں ہر تبدیلی انہی تینوں کے ذریعے آتی ہے۔ چوتھا شعبہ آبادی کی علاقائی تقسیم اور کثافت ہے، یعنی لوگ کس علاقے میں کتنے گھنے آباد ہیں اور شہری کاری کا عمل کس رفتار سے جاری ہے۔ پانچواں شعبہ آبادی اور سماجی اداروں کا تعلق ہے جس میں خاندان، شادی، تعلیم اور صحت جیسے موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔ اس کے علاوہ آبادیاتی نظریات، آبادیاتی پالیسیاں اور ماحول و وسائل کے ساتھ آبادی کا تعلق بھی جدید ڈیموگرافی کے دائرہ کار میں شامل ہو چکا ہے، جس سے اس علم کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

معاشرے کی ترقی میں ڈیموگرافی کا کردار

ترقی کا مطلب صرف آمدنی میں اضافہ نہیں بلکہ لوگوں کے معیارِ زندگی میں بہتری، تعلیم و صحت کی سہولتوں کی فراہمی اور سماجی انصاف کا قیام ہے۔ ڈیموگرافی ترقی کے اس عمل میں کئی طرح سے معاون ثابت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ ہمیں بتاتی ہے کہ افرادی قوت یعنی کام کرنے کی عمر کے افراد کتنے ہیں، جس سے روزگار کی منصوبہ بندی اور صنعتی و زرعی پالیسیاں بنانا ممکن ہوتا ہے۔ اگر نوجوان آبادی زیادہ ہو تو حکومت کو فنی تربیت اور روزگار کے مواقع بڑھانے پر توجہ دینا پڑتی ہے، اور اگر بزرگ آبادی بڑھ رہی ہو تو پنشن اور صحت کی سہولتوں کا بندوبست ترجیح بن جاتا ہے۔ اس طرح آبادی کی ساخت ترقی کی سمت کا تعین کرتی ہے۔

دوسرے، ڈیموگرافی تعلیم اور صحت کے شعبوں کی ترقی میں رہنمائی کرتی ہے۔ اسکول جانے کی عمر کے بچوں کی تعداد معلوم ہو تو اسکولوں، اساتذہ اور نصابی کتب کی ضرورت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح زچگی اور بچوں کی صحت، حفاظتی ٹیکوں اور اسپتالوں کی منصوبہ بندی شرحِ پیدائش اور شرحِ اموات کے اعداد و شمار کے بغیر ممکن نہیں۔ تیسرے، یہ علم غربت کے خاتمے اور سماجی بہبود کی پالیسیوں میں مدد دیتا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محروم طبقات کہاں آباد ہیں اور ان کی ضروریات کیا ہیں۔ یوں ڈیموگرافی ترقی کو اندازے کے بجائے حقائق پر مبنی بناتی ہے۔

منصوبہ بندی میں ڈیموگرافی کی معاونت

منصوبہ بندی سے مراد مستقبل کے اہداف مقرر کر کے وسائل کو منظم انداز میں استعمال کرنا ہے اور اس کا پہلا قدم درست معلومات ہیں۔ ڈیموگرافی منصوبہ سازوں کو موجودہ آبادی کی درست تصویر فراہم کرتی ہے اور آبادی کی پیش گوئی کے ذریعے مستقبل کی ضروریات کا نقشہ بھی پیش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر معلوم ہو کہ اگلے دس سال میں کسی شہر کی آبادی دگنی ہو جائے گی تو آج ہی سے پانی، بجلی، سڑکوں، نکاسیِ آب اور رہائش کی منصوبہ بندی کرنا پڑے گی۔ آبادی کی پیش گوئی کے بغیر بنائی گئی منصوبہ بندی اکثر ناکام ہو جاتی ہے کیونکہ وسائل اور ضروریات میں توازن قائم نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ ڈیموگرافی قومی ترقیاتی منصوبوں، پانچ سالہ منصوبوں اور مقامی حکومتوں کے بجٹ میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ حلقہ بندیوں کا تعین، ترقیاتی فنڈز کی تقسیم، اسپتالوں اور اسکولوں کے مقامات کا انتخاب اور غذائی تحفظ کی پالیسیاں سب آبادی کے اعداد و شمار پر منحصر ہیں۔ پاکستان میں مردم شماری کے نتائج کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستیں اور وسائل کی تقسیم کا فارمولا طے پاتا ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ڈیموگرافی محض ایک علمی مضمون نہیں بلکہ ریاستی نظم و نسق کی عملی بنیاد ہے۔ اسی لیے ہر ترقی یافتہ ملک آبادی کے اعداد و شمار جمع کرنے کے نظم اداے قائم رکھتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ڈیموگرافی کا دائرہ کار آبادی کے حجم، ساخت، تقسیم اور تبدیلی کے عوامل سے لے کر افراد کے سماجی، معاشی اور ماحولیاتی پہلوؤں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علم معاشرے کو اپنی موجودہ حالت سمجھنے، مستقبل کی پیش گوئی کرنے اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کی منصوبہ بندی کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ترقی کا کوئی بھی پروگرام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بنیاد آبادی کے درست اعداد و شمار پر نہ ہو۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ڈیموگرافی جدید معاشرے کی ترقی اور منصوبہ بندی کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتی جائے گی۔

سوال نمبر 2: آبادی کی معلومات جمع کرنے کے طریقے — تقابلی جائزہ اور پاکستان کے لیے مؤثر طریقہ (20 نمبر)

سوال نمبر 2: آبادی سے متعلق معلومات جمع کرنے کے مختلف طریقوں کا تقابلی جائزہ پیش کریں اور بیان کریں کہ پاکستان میں کون سا طریقہ زیادہ مؤثر ہے اور کیوں؟ (20)

تعارف

آبادی سے متعلق معلومات کسی بھی ملک کی سماجی و معاشی زندگی کی بنیاد ہوتی ہیں۔ حکومت کو پالیسی سازی، منصوبہ بندی اور وسائل کی تقسیم کے لیے یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ ملک میں کتنے لوگ رہتے ہیں، وہ کہاں آباد ہیں اور ان کی عمریں، تعلیم، پیشے اور زندگی کے حالات کیا ہیں۔ یہ معلومات اتفاقاً حاصل نہیں ہوتیں بلکہ ان کے لیے باقاعدہ طریقے

استعمال کیے جاتے ہیں جنہیں آبادیاتی ڈیٹا کے ذرائع کہا جاتا ہے۔ ہر طریقے کی اپنی خصوصیات، فوائد اور کمزوریاں ہیں، اس لیے ان کا تقابلی جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون سا طریقہ کس مقصد کے لیے موزوں ہے۔

دنیا بھر میں آبادی کی معلومات جمع کرنے کے تین بڑے طریقے رائج ہیں: مردم شماری، حیاتیاتی اندراج کا نظام یعنی پیدائش و اموات کا رجسٹریشن، اور نمونہ جائزے یا سروے۔ اس کے علاوہ انتظامی ریکارڈ اور خصوصیت کے حامل مطالعے بھی معاون ذرائع کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس سوال میں ان طریقوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا اور پھر پاکستان کے حالات کی روشنی میں یہ بتایا جائے گا کہ یہاں کون سا طریقہ زیادہ مؤثر ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں۔ واضح رہے کہ عملی طور پر کوئی ایک طریقہ اکیلا کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ طریقے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

مردم شماری: خصوصیات، فوائد اور کمزوریاں

مردم شماری سے مراد کسی مقررہ وقت پر کسی ملک کی تمام آبادی کی مکمل گنتی اور ان کی سماجی و معاشی خصوصیات کا اندراج ہے۔ اقوام متحدہ کی تعریف کے مطابق یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں کسی ملک یا اس کے کسی حصے کے تمام افراد کے آبادیاتی، معاشی اور سماجی اعداد و شمار ایک مخصوص وقت پر جمع کیے، مرتب کیے اور شائع کیے جاتے ہیں۔ مردم شماری کی نمایاں خصوصیات میں مکمل احاطہ، ایک ہی وقت پر گنتی، انفرادیت یعنی ہر فرد کا الگ اندراج اور حکومت کی جانب سے قانونی بنیاد پر انعقاد شامل ہیں۔ پاکستان میں مردم شماری عام طور پر دس سال کے وقفے سے ہوتی ہے اور جدید دور میں ڈیجیٹل مردم شماری بھی متعارف کرائی گئی ہے جس میں ٹیبلٹ اور کمپیوٹر کا استعمال ہوتا ہے۔

مردم شماری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ چھوٹے سے چھوٹے علاقے یعنی گاؤں، محلے اور یونین کونسل کی سطح تک معلومات فراہم کرتی ہے، جو کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ اسی بنیاد پر انتخابی حلقے بنتے ہیں، وسائل تقسیم ہوتے ہیں اور مقامی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ تاہم اس کی کمزوریاں بھی واضح ہیں: یہ انتہائی مہنگا اور وقت طلب عمل ہے، اس کے لیے لاکھوں افراد کی تربیت اور نگرانی درکار ہوتی ہے، اور نتائج کی اشاعت میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ دو مردم شماریوں کے درمیانی عرصے میں یہ معلومات فراہم نہیں کرتی اور گنتی کے دوران بعض افراد چھوٹ بھی جاتے ہیں، خاص طور پر خانہ بدوش، مہاجر اور دور دراز علاقوں کے رہنے والے۔

حیاتیاتی اندراج اور نمونہ سروے

حیاتیاتی اندراج کا نظام وہ طریقہ ہے جس میں پیدائش، اموات، شادی اور طلاق جیسے واقعات کا مستقل اور جاری اندراج مقامی دفاتر میں ہوتا رہتا ہے۔ پاکستان میں یہ کام یونین کونسل اور نادرا کے نظام سے جُڑا ہوا ہے۔ اس طریقے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مسلسل معلومات فراہم کرتا ہے، نسبتاً سستا ہے اور قانونی دستاویزات مثلاً پیدائش سرٹیفکیٹ اور شناختی کارڈ کے اجرا میں بھی کام آتا ہے۔ لیکن اس کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اندراج نامکمل رہتا ہے؛ دیہی علاقوں میں بہت سی پیدائشیں اور اموات درج ہی نہیں ہوتیں، خاص طور پر گھر پر ہونے والی پیدائش اور بچیوں کے اندراج میں کمی پائی جاتی ہے، جس سے اعداد و شمار کی درستی متاثر ہوتی ہے۔

نمونہ سروے وہ طریقہ ہے جس میں پوری آبادی کے بجائے اس کے ایک منتخب نمائندہ حصے سے تفصیلی معلومات حاصل کی جاتی ہیں اور نتائج کو پوری آبادی پر عام کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں لیبر فورس سروے، پاکستان ڈیموگرافک اینڈ ہیلتھ سروے اور سماجی و معیارِ زندگی کے سروے اس کی اہم مثالیں ہیں۔ سروے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ کم خرچ، تیز رفتار اور بہت تفصیلی معلومات فراہم کرتا ہے، مثلاً صحت، غذائیت، تعلیم اور روزگار کے معاملات پر گہرائی سے سوالات پوچھے جا سکتے ہیں۔ اس کی کمزوری یہ ہے کہ یہ چھوٹے علاقوں کی سطح پر معلومات نہیں دے سکتا اور نمونے کے انتخاب میں غلطی ہو تو نتائج گمراہ کن ہو سکتے ہیں۔

تقابلی جائزہ

تینوں طریقوں کا موازنہ کیا جائے تو تصویر واضح ہو جاتی ہے۔ مکمل احاطے کے اعتبار سے مردم شماری سب سے آگے ہے جبکہ سروے جزوی اور اندراج کا نظام واقعات تک محدود ہے۔ خرچ کے اعتبار سے مردم شماری سب سے مہنگی، سروے سب سے کم خرچ اور اندراج درمیانے درجے کا ہے۔ معلومات کی تفصیل کے اعتبار سے سروے سب سے بھرپور معلومات دیتا ہے کیونکہ اس میں لمبے سوالنامے استعمال ہو سکتے ہیں، جبکہ مردم شماری میں سوالات محدود رکھنا پڑتے ہیں تاکہ عمل قابلِ عمل رہے۔ تسلسل کے اعتبار سے اندراج کا نظام سب سے بہتر ہے کیونکہ یہ سارا سال جاری رہتا ہے، جبکہ مردم شماری دس سال بعد اور سروے وقفے وقفے سے ہوتے ہیں۔ درستی کے اعتبار سے مردم شماری اور اچھے سروے دونوں قابلِ اعتماد ہو سکتے ہیں جبکہ نامکمل اندراج کی درستی مشکوک رہتی ہے۔

یہ موازنہ بتاتا ہے کہ ہر طریقہ کسی نہ کسی پہلو سے برتر اور کسی پہلو سے کمزور ہے، اس لیے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک تینوں طریقوں کو ایک ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ مردم شماری بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتی ہے، اندراج کا نظام سالانہ تبدیلیوں سے آگاہ رکھتا ہے اور سروے تفصیلی تجزیے کے لیے مواد مہیا کرتے ہیں۔ کسی ایک طریقے پر مکمل انحصار پالیسی سازوں کو ادھوری تصویر دے گا۔ مثال کے طور پر صرف مردم شماری پر انحصار کرنے سے درمیانی برسوں میں صحت اور روزگار جیسے بدلتے ہوئے شعبوں کی تازہ معلومات نہیں ملیں گی اور صرف سروے پر انحصار کرنے سے مقامی سطح کی منصوبہ بندی ممکن نہیں رہے گی۔ نیچے دی گئی جدول اس تقابل کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔

پاکستان کے لیے زیادہ مؤثر طریقہ اور اس کی وجوہات

پاکستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی اور سب سے مؤثر طریقہ مردم شماری ہی ہے، جس کی تکمیل اندراج کے بہتر نظام اور باقاعدہ سروے سے کی جائے۔ مردم شماری کے مؤثر ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ پاکستان ایک وفاقی ملک ہے جہاں صوبوں کے درمیان وسائل کی تقسیم، مالیاتی کمیشن ایوارڈ اور اسمبلیوں کی نشستیں آبادی کی بنیاد پر طے ہوتی ہیں، اور یہ قانونی و آئینی کام صرف مکمل گنتی سے ہی ممکن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں شرح خواندگی اور انتظامی ریکارڈ کی حالت ایسی نہیں کہ اندراج کے نامکمل نظام پر مکمل بھروسہ کیا جا سکے، اس لیے وقتاً فوقتاً مکمل گنتی ناگزیر ہو جاتی ہے۔

تیسری وجہ مقامی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے؛ ضلعی اور تحصیل سطح پر اسکول، اسپتال اور پانی کی فراہمی جیسے منصوبے چھوٹے علاقوں کے اعداد و شمار مانگتے ہیں جو صرف مردم شماری دیتی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مردم شماری کے بغیر سروے کے لیے نمونے کا ڈھانچہ بھی درست نہیں بن سکتا، یعنی سروے کی بنیاد بھی مردم شماری ہی ہے۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی طریقے چھوڑ دیے جائیں۔ اگر پیدائش و اموات کے اندراج کو یونین کونسل اور اسپتالوں کے نظام سے مؤثر طریقے سے جوڑ دیا جائے اور ڈیجیٹل نظام کو وسعت دی جائے تو درمیانی برسوں کی معلومات بھی ملتی رہیں گی اور مردم شماری پر بوجھ کم ہو گا۔ اسی طرح باقاعدہ سروے پالیسیوں کی جانچ کے لیے ضروری ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ آبادی کی معلومات جمع کرنے کے تینوں بڑے طریقے اپنی جگہ اہم ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ مردم شماری مکمل اور علاقائی سطح پر تفصیلی معلومات دیتی ہے مگر مہنگی اور وقفے سے ہوتی ہے؛ اندراج کا نظام مسلسل معلومات دیتا ہے مگر پاکستان میں نامکمل ہے؛ سروے سستا اور تفصیلی ہے مگر چھوٹے علاقوں کی معلومات نہیں دے سکتا۔ پاکستان کے آئینی، انتظامی اور ترقیاتی تقاضوں کے پیشِ نظر مردم شماری سب سے مؤثر بنیادی طریقہ ہے، بشرطیکہ اسے باقاعدگی سے کرایا جائے، اس کی تکمیل اندراج کے مضبوط نظام اور معیاری سروے سے کی جائے اور جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے اس کی درستی اور رفتار بہتر بنائی جائے۔

جدول 1: آبادی کی معلومات جمع کرنے کے طریقوں کا تقابل

پہلو	مردم شماری	حیاتیاتی اندراج	نمونہ سروے
احاطہ	پوری آبادی کی مکمل گنتی	صرف درج شدہ واقعات	آبادی کا منتخب نمونہ
خرچ	سب سے زیادہ	درمیانہ اور جاری	سب سے کم
تسلسل	عام طور پر دس سال بعد	سارا سال مسلسل	وقفے وقفے سے
تفصیل	محدود سوالات	بنیادی معلومات	بہت تفصیلی معلومات
چھوٹے علاقوں کا ڈیٹا	دستیاب ہوتا ہے	جزوی طور پر	دستیاب نہیں ہوتا
بڑی کمزوری	مہنگا اور سست عمل	نامکمل اندراج	نمونے کی غلطی کا امکان

سوال نمبر 3: آبادی کے کلاسیکی اور جدید نظریات اور ترقی پذیر ممالک کے مسائل (20 نمبر)

سوال نمبر 3: آبادی کے کلاسیکی اور جدید نظریات میں فرق بیان کریں اور ان نظریات کی روشنی میں ترقی پذیر ممالک کے آبادی کے مسائل کا تجزیہ کریں۔ (20)

تعارف

انسانی فکر کی تاریخ میں آبادی ہمیشہ بحث کا موضوع رہی ہے۔ کبھی آبادی کو قوت و دولت کا ذریعہ سمجھا گیا اور کبھی اسے مصیبت و غربت کی جڑ قرار دیا گیا۔ ہر دور کے مفکرین نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق آبادی کے بارے میں نظریات پیش کیے۔ قدیم یونانی مفکرین سے لے کر ابن خلدون، مارکس اور جدید ماہرین تک ہر ایک نے آبادی اور وسائل کے تعلق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان نظریات کو عام طور پر دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: کلاسیکی نظریات جو زیادہ تر قدیم اور ابتدائی جدید دور سے تعلق رکھتے ہیں، اور جدید نظریات جو بیسویں صدی اور اس کے بعد کے تجربات کی روشنی میں سامنے آئے۔

اس سوال میں پہلے کلاسیکی اور جدید نظریات کا تعارف اور ان کے درمیان فرق بیان کیا جائے گا، پھر ان نظریات کی روشنی میں ترقی پذیر ممالک کے آبادی کے مسائل کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ یہ تجزیہ اس لیے اہم ہے کہ پاکستان سمیت بیشتر ترقی پذیر ممالک آج تیز آبادی افزائش، غربت، بے روزگاری، شہری دباؤ جیسے مسائل سے دوچار ہیں اور ان مسائل کو سمجھنے کے لیے نظریاتی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔ نظریات ہمیں بتاتے ہیں کہ آبادی کا مسئلہ صرف تعداد کا نہیں بلکہ وسائل، ٹیکنالوجی، تقسیم اور اداروں کا بھی ہے۔

کلاسیکی نظریات کا تعارف

کلاسیکی نظریات میں سب سے مشہور نظریہ مالتھس کا ہے جو 1798ء میں پیش کیا گیا۔ مالتھس کے مطابق آبادی جیومیٹریائی رفتار سے بڑھتی ہے یعنی دگنی ہوتی جاتی ہے جبکہ خوراک کی پیداوار حساب کی رفتار سے یعنی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے، اس لیے ایک وقت آتا ہے جب آبادی خوراک سے آگے نکل جاتی ہے اور قحط، بیماری اور جنگ جیسی قدرتی آفات آبادی کو کم کر کے توازن بحال کرتی ہیں۔ مالتھس نے احتیاطی رکاوٹوں یعنی دیر سے شادی اور اخلاقی ضبط کی بھی تجویز دی۔ اس سے پہلے مرکنٹائل دور کے مفکرین آبادی کو ریاستی طاقت اور فوجی قوت کا ذریعہ سمجھ کر اس کی افزائش کے حامی تھے، جبکہ ابن خلدون نے آبادی کی کثافت کو تہذیب و تمدن اور معاشی خوشحالی سے جوڑا تھا۔

کلاسیکی دور کے دیگر مفکرین میں ایڈم سمتھ، ریکارڈو اور جان اسٹورٹ مل شامل ہیں۔ مزدوری اور طلب و رسد کے تناظر میں انہوں نے آبادی کو معاشی عمل کا حصہ سمجھا؛ زیادہ مزدور دستیاب ہوں تو اجرت کم ہو جاتی ہے۔ کارل مارکس کا موقف مالتھس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے مطابق غربت کی وجہ آبادی کی زیادتی نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جو مزدوروں کی ایک فالتو فوج پیدا کر کے انہیں بے روزگار رکھتا ہے، اور نظام بدل جائے تو آبادی مسئلہ نہیں رہے گی۔ مجموعی طور پر کلاسیکی نظریات کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آبادی کو وسائل پر بوجھ یا طاقت کے سادہ تناظر میں دیکھتے ہیں اور پیدائش و اموات پر اثرانداز سماجی عوامل کی تفصیل میں کم جاتے ہیں۔

جدید نظریات کا تعارف

جدید نظریات میں سب سے اہم نظریہ آبادیاتی منتقلی کا نظریہ ہے جو بیسویں صدی میں یورپ کے تجربے کی بنیاد پر پیش کیا گیا۔ اس نظریے کے مطابق ہر معاشرہ تین یا چار مراحل سے گزرتا ہے: پہلے مرحلے میں شرح پیدائش اور شرح اموات دونوں زیادہ ہوتی ہیں اس لیے آبادی تقریباً مستحکم رہتی ہے؛ دوسرے مرحلے میں صحت و خوراک کی بہتری سے شرح اموات گرتی ہے مگر شرح پیدائش بلند رہتی ہے، جس سے آبادی تیزی سے بڑھتی ہے؛ تیسرے مرحلے میں تعلیم، شہری کاری اور خواتین کے روزگار کی وجہ سے شرح پیدائش بھی گرنے لگتی ہے؛ اور آخری مرحلے میں دونوں شرحیں کم سطح پر متوازن ہو جاتی ہیں۔ یہ نظریہ آبادی کی تبدیلی کو معاشی و سماجی ترقی سے جوڑتا ہے۔

جدید نظریات میں مناسب ترین آبادی کا نظریہ بھی اہم ہے جس کے مطابق کسی ملک کے لیے ایک ایسی آبادی مناسب ہوتی ہے جس پر فی کس آمدنی زیادہ سے زیادہ ہو؛ اس سے کم آبادی وسائل کا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتی اور اس سے زیادہ آبادی فی کس آمدنی گھٹا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ جدید مفکرین آبادی کو انسانی سرمایہ بھی قرار دیتے ہیں؛ تعلیم یافتہ اور صحت مند نوجوان آبادی ترقی کا انجن بن سکتی ہے جسے آبادیاتی منافع کہا جاتا ہے۔ جدید نظریات کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اعداد و شمار، سماجی عوامل، ٹیکنالوجی اور پالیسیوں کو ملا کر دیکھتے ہیں اور آبادی کو نہ مکمل نعمت سمجھتے ہیں نہ مکمل زحمت، بلکہ اس کے اثرات کو حالات سے مشروط قرار دیتے ہیں۔

کلاسیکی اور جدید نظریات میں فرق

کلاسیکی اور جدید نظریات میں پہلا فرق زاویہ نگاہ کا ہے: کلاسیکی نظریات آبادی کو زیادہ تر خوراک اور وسائل کے محدود تناظر میں دیکھتے ہیں جبکہ جدید نظریات اسے تعلیم، صحت، ٹیکنالوجی، ثقافت اور پالیسی سمیت پورے سماجی نظام کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ دوسرا فرق لہجے کا ہے: مالتھس جیسے کلاسیکی مفکرین مایوس کن پیش گوئی کرتے ہیں کہ آبادی لازمی طور پر مصیبت لائے گی، جبکہ جدید نظریات متوازن ہیں اور بتاتے ہیں کہ مناسب پالیسیوں سے آبادی کی افزائش قابو میں بھی آسکتی ہے اور نوجوان آبادی فائدے میں بھی بدل سکتی ہے۔ تیسرا فرق طریقہ کار کا ہے: کلاسیکی نظریات زیادہ تر قیاس اور منطقی استدلال پر مبنی تھے، جبکہ جدید نظریات مردم شماری اور سروے کے اعداد و شمار کی تجرباتی بنیاد رکھتے ہیں۔

چوتھا فرق حل کی نوعیت کا ہے: کلاسیکی حل زیادہ تر قدرتی آفات یا اخلاقی ضبط تک محدود تھے، جبکہ جدید حل میں خاندانی منصوبہ بندی، خواتین کی تعلیم، صحت کی سہولتیں اور معاشی ترقی جیسے عملی اقدامات شامل ہیں۔ پانچواں فرق وقت کے تصور کا ہے: کلاسیکی نظریات آبادی کو ساکن اصولوں سے دیکھتے ہیں جبکہ آبادیاتی منتقلی کا نظریہ اسے وقت اور ترقی کے مراحل کے ساتھ بدلتا ہوا عمل قرار دیتا ہے۔ ان فروق کے باوجود یہ کہنا درست ہو گا کہ جدید نظریات کلاسیکی فکر ہی کی توسیع ہیں کیونکہ سوال آج بھی وہی ہے کہ آبادی اور وسائل میں توازن کیسے قائم ہو۔ نیچے جدول میں یہ فرق خلاصے کے طور پر دیا گیا ہے۔

ترقی پذیر ممالک کے آبادی کے مسائل کا تجزیہ

ترقی پذیر ممالک اس وقت آبادیاتی منتقلی کے دوسرے اور تیسرے مرحلے میں ہیں جہاں شرح اموات طب کی ترقی کی وجہ سے تیزی سے گری ہے مگر شرح پیدائش سماجی و ثقافتی وجوہات کی بنا پر بلند ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور افریقی ممالک میں آبادی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ مالتھس کی روشنی میں دیکھیں تو خوراک، پانی اور زمین پر دباؤ بڑھ رہا ہے، کاشت کی زمین سکڑ رہی ہے اور فی کس وسائل کم ہو رہے ہیں۔ تاہم جدید نظریے کی روشنی میں اصل مسئلہ صرف تعداد نہیں بلکہ یہ ہے کہ تعلیم، صحت اور روزگار میں سرمایہ کاری آبادی کی رفتار سے پیچھے رہ گئی ہے، اس لیے مسئلہ انتظامی اور ترقیاتی بھی ہے۔

ان مسائل میں بے روزگاری سب سے نمایاں ہے کیونکہ ہر سال لاکھوں نوجوان ملازمت کی منڈی میں داخل ہوتے ہیں مگر معیشت اتنی ملازمتیں پیدا نہیں کر پاتی۔ دوسرا مسئلہ بچوں اور بزرگوں کی بڑی تعداد ہے جس کی کفالت کام کرنے والے افراد کے ذمے ہوتی ہے اور بچت و سرمایہ کاری کم رہ جاتی ہے۔ تیسرا مسئلہ تیز شہری کاری ہے جس سے کچی آبادیاں، پانی و نکاسی کے مسائل اور آلودگی بڑھتی ہے۔ چوتھا مسئلہ تعلیم و صحت کی سہولتوں پر بوجھ اور پانچواں ماحولیاتی دباؤ ہے۔ مارکس کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ان ممالک میں وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم بھی مسائل کو گہرا کرتی ہے، کیونکہ خرچ کرنے اور دولت موجود ہونے کے باوجود محروم طبقات تک نہیں پہنچتی۔ اس متوازن تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ حل صرف پیدائش گھٹانا نہیں بلکہ تعلیم، خصوصاً خواتین کی تعلیم، روزگار، صحت اور منصفانہ تقسیم کا مجموعہ ہے۔

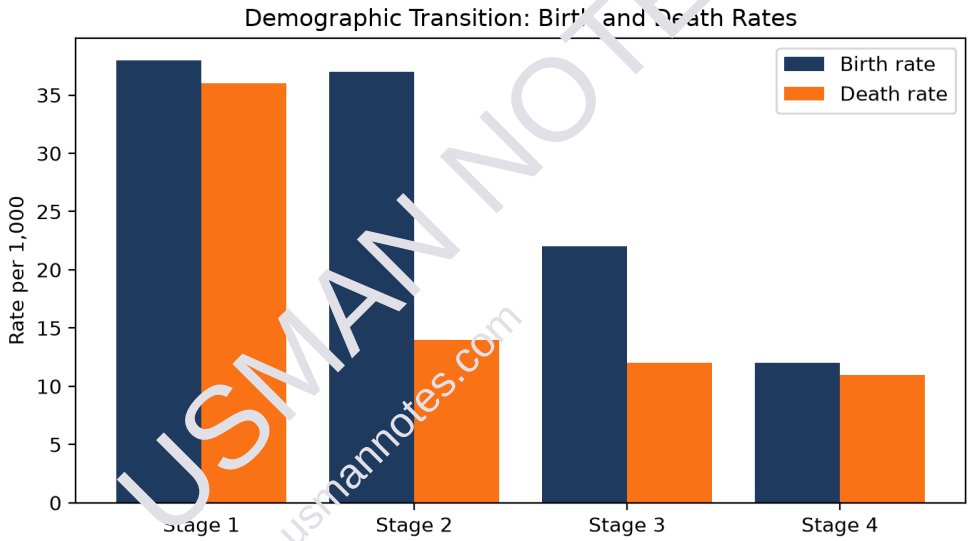
نتیجہ

نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ کلاسیکی نظریات نے آبادی اور وسائل کے تعلق کی طرف پہلی بار سنجیدہ توجہ دلائی مگر ان کا زاویہ محدود اور نتیجہ اکثر مایوس کن تھا، جبکہ جدید نظریات نے اعداد و شمار اور سماجی عوامل کی روشنی میں آبادی کو ایک بدلتا ہوا اور قابلِ انتظام عمل قرار دیا۔ ترقی پذیر ممالک کے مسائل کا تجزیہ بتاتا ہے کہ نہ مالتھس کی مکمل مایوسی درست ہے اور نہ یہ دعویٰ کہ آبادی خود بخود نعمت بن جائے گی۔ درست راستہ یہ ہے کہ آبادیاتی منتقلی کو تیز کرنے کے لیے تعلیم، صحت اور خاندانی منصوبہ بندی میں سرمایہ کاری کی جائے اور نوجوان آبادی کو انسانی سرمایے میں بدل کر ترقی کا ذریعہ بنایا جائے۔

جدول 1: کلاسیکی اور جدید نظریات کا موازنہ

پہلو	کلاسیکی نظریات	جدید نظریات
نمایاں مفکرین	مالتھس، ریکارڈو، مل، مارکس	نوٹسٹائن، تھامپسن اور منتقلی کے ماہرین
آبادی کا تصور	وسائل پر بوجھ یا ریاستی طاقت	ترقی سے جُڑا بدلتا ہوا عمل
بنیاد	قیاس اور فلسفیانہ استدلال	اعداد و شمار اور تجربہ

لہجہ	اکثر مایوس کن	متوازن اور پالیسی پر مبنی
حل	قدرتی آفات، اخلاقی ضبط	تعلیم، صحت، خاندانی منصوبہ بندی، ترقی



شکل 1: آبادیاتی منتقلی کے مراحل میں شرح پیدائش اور شرح اموات

سوال نمبر 4: آبادی کی تبدیلی کے عناصر — پیدائش، اموات اور نقل مکانی کا باہمی تعلق (20 نمبر)

سوال نمبر 4: آبادی میں تبدیلی کے عناصر (پیدائش، اموات، نقل مکانی) ایک دوسرے سے کیسے جُڑے ہوتے ہیں؟ ان کے باہمی تعلق کو مثالوں کے ساتھ واضح کریں۔

(20)

تعارف

کسی بھی علاقے کی آبادی ساکن نہیں رہتی بلکہ مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ آج جو آبادی ہے وہ کل یا تو بڑھ چکی ہو گی یا گھٹ چکی ہو گی۔ ڈیموگرافی میں اس تبدیلی کے تین بنیادی عناصر تسلیم کیے جاتے ہیں: پیدائش، اموات اور نقل مکانی۔ پیدائش آبادی میں اضافہ کرتی ہے، اموات اس میں کمی لاتی ہیں اور نقل مکانی ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک آبادی کو منتقل کرتی ہے۔ آبادی کی تبدیلی کا بنیادی مساوات یہ ہے کہ آخری آبادی برابر ہے ابتدائی آبادی جمع پیدائش، منفی اموات، جمع آنے والے اور منفی جانے والے۔ یہی تین عناصر مل کر کسی ملک یا شہر کی آبادی کا مستقبل طے کرتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ یہ تینوں عناصر الگ الگ خود مختار واقعات نہیں بلکہ ایک دوسرے سے گہرے طور پر جُڑے ہوئے ہیں۔ ایک میں تبدیلی آئے تو دوسرے خود بخود متاثر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر شرح اموات گرنے سے آبادی بڑھتی ہے، بڑھتی آبادی وسائل پر دباؤ ڈالتی ہے، دباؤ نقل مکانی کو جنم دیتا ہے اور نقل مکانی نئے علاقے میں پیدائش اور اموات کے نمونوں کو بدل دیتی ہے۔ اس سوال میں پہلے تینوں عناصر کا مختصر تعارف کرایا جائے گا اور پھر مثالوں کے ساتھ ان کے باہمی تعلق کو واضح کیا جائے گا تاکہ یہ زنجیر نما تعلق اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

تینوں عناصر کا تعارف

پیدائش سے مراد کسی آبادی میں زندہ بچوں کی پیدائش ہے جسے شرح پیدائش اور شرح بارآوری سے ناپا جاتا ہے۔ یہ شرح سماجی عوامل سے متاثر ہوتی ہے جیسے شادی کی عمر، خواتین کی تعلیم، شہری زندگی، خاندانی منصوبہ بندی اور بچوں کے بارے میں ثقافتی تصورات۔ جن معاشروں میں بچے معاشی اثاثہ سمجھے جاتے ہیں اور بوڑھاپے کا سہارا مانے جاتے ہیں وہاں پیدائش زیادہ ہوتی ہے، جبکہ تعلیم یافتہ اور شہری معاشروں میں یہ کم ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں اوسطاً فی خاتون بچوں کی تعداد گزشتہ دہائیوں میں گھٹی ضرور ہے مگر ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں اب بھی زیادہ ہے، اس لیے آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

اموات سے مراد آبادی میں فوت ہونے والے افراد ہیں جنہیں شرح اموات اور شیر خوار اموات کی شرح سے ناپا جاتا ہے۔ خوراک، صفائی، صاف پانی، طب کی سہولتیں اور حفاظتی ٹیکے شرح اموات کو گھٹاتے ہیں جبکہ قحط، وبا، جنگ اور قدرتی آفات اسے بڑھاتی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں طب کی درآمد شدہ ترقی کی وجہ سے شرح اموات تیزی سے گری، یہی آبادی کے دھماکے کی بنیادی وجہ بنی۔ نقل مکانی سے مراد لوگوں کا مستقل یا نیم مستقل طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے جو ملکی بھی ہو سکتی ہے اور بین الاقوامی بھی۔ یہ تینوں عناصر مل کر آبادی کی ترکیب بھی بدلتے ہیں، صرف تعداد نہیں۔

باہمی تعلق: پیدائش اور اموات کا رشتہ

پیدائش اور اموات کا تعلق سب سے گہرا ہے۔ جب کسی معاشرے میں شیر خوار اور بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں تو والدین زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں تاکہ کچھ بچے زندہ رہ کر خاندان کا سہارا بن سکیں؛ یہ رویہ صدیوں سے دیہی معاشروں میں موجود رہا ہے۔ اس کے برعکس جب صحت کی سہولتیں بہتر ہوتی ہیں اور بچوں کی اموات گھٹ جاتی ہیں تو والدین کو یقین ہو جاتا ہے کہ کم بچے بھی زندہ رہیں گے، اس لیے وہ چھوٹے خاندان کو ترجیح دینے لگتے ہیں اور شرح پیدائش بھی گرنے لگتی ہے۔ آبادیاتی منتقلی کے نظریے کا یہی خلاصہ ہے کہ پہلے اموات گرتی ہیں اور کچھ وقفے بعد پیدائش بھی گرتی ہے، اور درمیانی عرصے میں آبادی تیزی سے بڑھتی ہے۔

مثال کے طور پر یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد پہلے شرح اموات گری اور آبادی بڑھی، پھر تعلیم اور شہری زندگی کے ساتھ شرح پیدائش بھی گر گئی اور توازن قائم ہو گیا۔ پاکستان میں بھی گزشتہ پچاس برسوں میں شرح اموات نمایاں طور پر گری مگر شرح پیدائش اسی رفتار سے نہ گھٹ سکی، اس لیے آبادی میں تیز اضافہ ہوا۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ پیدائش کو قابو کرنے کا ایک مؤثر راستہ بچوں کی اموات میں کمی بھی ہے، کیونکہ جب والدین کو بچوں کی بقا کا اعتماد حاصل ہو جاتا ہے تو بڑے خاندان کی خواہش خود کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کو ایک ساتھ آگے بڑھانے کی سفارش کرتے ہیں۔

نقل مکانی کا پیدائش و اموات سے تعلق

نقل مکانی بھی دونوں عناصر سے جُڑی ہوئی ہے۔ اول، نقل مکانی زیادہ تر نوجوان اور کام کرنے کی عمر کے لوگ کرتے ہیں، اس لیے جس علاقے سے لوگ جاتے ہیں وہاں نوجوان آبادی کم ہو جاتی ہے، پیدائش کی تعداد گھٹ سکتی ہے اور بزرگوں کا تناسب بڑھنے سے شرح اموات کا نمونہ بدل جاتا ہے۔ پاکستانی دیہات سے نوجوانوں کی شہروں اور بیرون ملک منتقلی اس کی واضح مثال ہے جہاں دیہات میں خواتین، بچے اور بزرگ رہ جاتے ہیں۔ دوم، جس علاقے میں لوگ آتے ہیں وہاں نوجوان آبادی بڑھتی ہے، شادیوں اور پیدائش کی تعداد بڑھتی ہے اور شہر کی آبادی تیزی سے پھیلتی ہے، جیسا کہ کراچی، لاہور اور کئی شہروں کی آبادی میں اضافے سے ظاہر ہے۔

سوم، نقل مکانی اموات کے نمونے بھی بدلتی ہے۔ شہروں میں صحت کی بہتر سہولتوں کی وجہ سے مہاجرین کی صحت اور بچوں کی بقا دیہات کے مقابلے میں بہتر ہو سکتی ہے، لیکن کچی آبادیوں میں بھیڑ، آلودہ پانی اور ناقص نکاسی اموات اور بیماریوں میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ چہارم، بین الاقوامی نقل مکانی سے واپس آنے والے افراد اور بھیجی جانے والی رقوم خاندانوں کی آمدنی بڑھاتی ہیں جس سے غذائیت اور علاج بہتر ہوتا ہے اور اموات گھٹتی ہیں، جبکہ بیرونِ ملک مقیم والدین کے خاندانوں میں شرح پیدائش بھی نسبتاً کم دیکھی گئی ہے۔ یوں نقل مکانی محض لوگوں کی جگہ بدلنا نہیں بلکہ دونوں علاقوں کی آبادیاتی تقدیر بدلنے کا عمل ہے۔

زنجیر نما اثرات اور مزید مثالیں

ان تینوں عناصر کے تعلق کو ایک زنجیر کی صورت میں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کریں کسی علاقے میں وبا یا قحط سے اموات بڑھ جاتی ہیں تو مزدور کم ہو جاتے ہیں، اجرتیں بڑھتی ہیں، لوگ نسبتاً خوشحال ہوتے ہیں، شادیاں جلد اور زیادہ ہوتی ہیں اور اگلی نسل میں پیدائش بڑھ کر آبادی کی کمی پوری کر دیتی ہے؛ قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں طاعون کے بعد یہی کچھ دیکھا گیا تھا۔ اس کے برعکس اگر پیدائش مسلسل زیادہ رہے تو زمین اور وسائل تقسیم ہوتے جاتے ہیں، غربت بڑھتی ہے، غذائیت کمزور ہوتی ہے اور اموات خاص طور پر بچوں کی اموات بڑھنے لگتی ہیں، ساتھ ہی لوگ روزگار کی تلاش میں نقل مکانی پر مجبور ہوتے ہیں۔

ایک اور مثال جنگ اور بدامنی کی ہے۔ جنگ سے اموات بڑھتی ہیں، نوجوان مردوں کی کمی سے شادیاں اور پیدائش گھٹتی ہیں اور بڑی تعداد میں لوگ پناہ کے لیے نقل مکانی کرتے ہیں؛ افغان مہاجرین کی پاکستان آمد اس کی جیتی جاگتی مثال ہے جس نے پاکستان کی آبادی، شہروں اور معیشت پر دیرپا اثرات ڈالے۔ اسی طرح خوشحالی کے دور میں اموات گھٹتی ہیں، پیدائش مستحکم رہتی ہے اور لوگ بہتر زندگی کے لیے شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پالیسی ساز کسی ایک عنصر کو الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے؛ شرح پیدائش گھٹانے کی پالیسی کو صحت اور نقل مکانی کے رجحانات سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ نتائج توقع کے خلاف نکل سکتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ پیدائش، اموات اور نقل مکانی آبادی کی تبدیلی کے تین عناصر ہیں اور تینوں ایک دوسرے سے گہرے اور زنجیر نما تعلق میں بندھے ہوئے ہیں۔ اموات میں کمی بالآخر پیدائش میں کمی کی راہ ہموار کرتی ہے، زیادہ پیدائش وسائل کے دباؤ سے اموات اور نقل مکانی دونوں کو بڑھاتی ہے اور نقل مکانی آنے اور جانے والے دونوں علاقوں کی پیدائش و اموات کے نمونے بدل دیتی ہے۔ مثالوں سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ تعلق صرف کتابی نہیں بلکہ پاکستان کے دیہات، شہروں اور مہاجر آبادیوں میں عملی طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے آبادی کی درست منصوبہ بندی کے لیے تینوں عناصر کا بیک وقت مطالعہ ناگزیر ہے۔

سوال نمبر 5: مختصر نوٹ — مردم شماری؛ آبادیاتی ڈیٹا کے سماجی پہلو (10+10 نمبر)

سوال نمبر 5: مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ تحریر کریں: 1۔ مردم شماری کی اہمیت اور مسائل (10) 2۔ آبادیاتی ڈیٹا کے استعمال کے سماجی پہلو (10)

تعارف

یہ سوال دو مختصر نوٹوں پر مشتمل ہے۔ پہلا نوٹ مردم شماری کی اہمیت اور اس کے مسائل کے بارے میں ہے اور دوسرا نوٹ آبادیاتی ڈیٹا کے استعمال کے سماجی پہلوؤں پر ہے۔ دونوں موضوعات کا آپس میں گہرا تعلق ہے کیونکہ مردم شماری آبادیاتی ڈیٹا کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور ڈیٹا کے استعمال کے سماجی پہلو اسی وقت سامنے آتے ہیں جب ہم دیکھتے

ہیں کہ یہ اعداد و شمار معاشرے کے مختلف طبقات پر کیسے اثرانداز ہوتے ہیں۔ ذیل میں دونوں نوٹ الگ الگ عنوانات کے تحت پیش کیے گئے ہیں تاکہ ہر موضوع کی اہمیت، مسائل اور سماجی اثرات واضح طور پر سمجھے جا سکیں۔

نوٹ 1: مردم شماری کی اہمیت

مردم شماری کسی ملک کی پوری آبادی کی مقررہ وقت پر کی جانے والی مکمل گنتی ہے جس میں ہر فرد کی عمر، جنس، تعلیم، پیشہ، زبان اور رہائش جیسی معلومات بھی درج کی جاتی ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جدید ریاست کے بیشتر بڑے فیصلے اسی پر منحصر ہیں۔ سب سے پہلے، سیاسی اہمیت یہ ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کی تقسیم اور انتخابی حلقہ بندیاں مردم شماری کے تناسب سے ہوتی ہیں، اس لیے یہ جمہوری نمائندگی کی بنیاد ہے۔ دوسرے، مالی اہمیت یہ ہے کہ وفاق سے صوبوں کو وسائل کی تقسیم کا فارمولا بڑی حد تک آبادی پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے ہر صوبے اور ضلع کے حصے کا تعین اسی سے ہوتا ہے۔

تیسرے، مردم شماری ترقیاتی منصوبہ بندی کی بنیاد ہے۔ اسکول، اسپتال، سڑکیں، پانی اور بجلی کے منصوبے اسی ڈیٹا کو دیکھ کر بنائے جاتے ہیں کہ کس علاقے میں کتنے لوگ اور کس عمر کے افراد رہتے ہیں۔ چوتھے، اس سے آبادی کی ساخت اور تبدیلی کا علم ہوتا ہے جس کی بنیاد پر پالیسیاں بنتی ہیں، مثلاً نوجوان آبادی زیادہ ہو تو روزگار اور تربیت کی پالیسیاں ترجیح پاتی ہیں۔ پانچویں، یہ تحقیق اور علم کی دنیا کے لیے بنیادی ماخذ ہے؛ ماہرین سماجیات، معاشیات اور جغرافیہ اپنے تجزیے اسی ڈیٹا پر قائم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آفات اور ہنگامی حالات میں ریلیف کی منصوبہ بندی بھی آبادی کے اعداد و شمار کے بغیر ممکن نہیں رہتی۔

نوٹ 1: مردم شماری کے مسائل

اتنی اہمیت کے باوجود مردم شماری پاکستان جیسے ممالک میں کئی مسائل سے دوچار رہتی ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ سیاسی ہے: نشستوں اور وسائل کی تقسیم آبادی سے جُڑی ہونے کی وجہ سے مردم شماری متنازع ہو جاتی ہے، بعض گروہ اپنے علاقے کی آبادی زیادہ دکھانے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور نتائج پر اعتراضات اٹھتے ہیں، جس کی وجہ سے پاکستان میں

مردم شماری کئی بار تاخیر کا شکار ہوئی۔ دوسرا مسئلہ اخراجات اور انتظامی بوجھ ہے؛ لاکھوں گنتی کنندگان کی بھرتی، تربیت اور نگرانی ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے اور ان کی نااہلی یا لاپروائی سے اندراج میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

تیسرا مسئلہ بعض آبادیوں کا چھوٹ جانا ہے، مثلاً خانہ بدوش قبائل، بے گھر افراد، دور دراز پہاڑی و صحرائی علاقوں کے باشندے اور غیر قانونی مقیم افراد اکثر گنتی سے رہ جاتے ہیں۔ چوتھا مسئلہ سماجی رکاوٹیں ہیں: بعض گھرانے خواتین اور بچیوں کی معلومات دینے سے ہچکچاتے ہیں یا گھر کے افراد کی درست تعداد بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ پانچواں مسئلہ نتائج کی اشاعت میں تاخیر ہے جس سے ڈیٹا پرانا ہو جاتا ہے اور اس کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ جدید ڈیجیٹل مردم شماری، خود گنتی کی سہولت اور شفاف نگرانی سے ان میں سے کئی مسائل کم کیے جا سکتے ہیں، مگر اس کے لیے سیاسی اتفاقِ رائے اور عوامی آگاہی بھی ضروری ہے۔

نوٹ 2: آبادیاتی ڈیٹا کے استعمال کے سماجی پہلو

آبادیاتی ڈیٹا سے مراد آبادی کے حجم، ساخت اور تبدیلی سے متعلق اعداد و شمار ہیں جو مردم شماری، اندراج اور سروے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس ڈیٹا کا استعمال صرف دفاتر کی فائلوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے براہِ راست سماجی پہلو ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا سماجی پہلو وسائل کی منصفانہ تقسیم ہے: جس علاقے کی آبادی درست درج ہو گی اسے تعلیم، صحت اور ترقیاتی فنڈز میں اس کا جائز حصہ ملے گا، جبکہ کم گنی گئی آبادی محرومی کا شکار رہتی ہے۔ اس طرح ڈیٹا کی درستی سماجی انصاف سے جُڑ جاتی ہے۔ دوسرا پہلو کمزور طبقات کی شناخت ہے؛ ڈیٹا سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین، بچے، بزرگ، معذور افراد اور اقلیتیں کہاں اور کس حالت میں ہیں تاکہ ان کے لیے خصوصی پروگرام بنائے جا سکیں۔

تیسرا پہلو سماجی منصوبہ بندی اور فلاحی خدمات ہیں، مثلاً سکولوں کی جگہ کا انتخاب، لیڈی ہیلتھ ورکرز کی تعیناتی اور حفاظتی ٹیکوں کی مہمات ڈیٹا کی بنیاد پر ہی کامیاب ہوتی ہیں۔ چوتھا پہلو سماجی شعور اور رویوں کی تبدیلی ہے؛ جب لوگوں کو اعداد و شمار سے بتایا جاتا ہے کہ چھوٹا خاندان صحت اور تعلیم کے لیے کیوں بہتر ہے تو خاندانی منصوبہ بندی جیسے

حساس موضوعات پر مثبت بحث ممکن ہوتی ہے۔ پانچواں پہلو رازداری اور اعتماد کا ہے: اگر لوگوں کو یقین نہ ہو کہ ان کی معلومات محفوظ رہیں گی تو وہ درست معلومات نہیں دیں گے، اس لیے ڈیٹا جمع کرنے والے اداروں کے لیے عوام کا اعتماد برقرار رکھنا ایک سماجی ذمہ داری ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ڈیٹا کے غلط استعمال کے سماجی خطرات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ آبادی کے اعداد بعض اوقات لسانی، علاقائی یا مذہبی بنیادوں پر سیاسی تنازعات کو ہوا دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جس سے سماجی ہم آہنگی متاثر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کسی علاقے کو پسماندہ قرار دینے والے اعداد وہاں کے لوگوں کے احساس محرومی کو بڑھا سکتے ہیں اگر ان کے ساتھ ترقیاتی عمل نہ ہو۔ اس لیے دانش مندانہ استعمال یہ ہے کہ ڈیٹا کو شفافیت، غیر جانب داری اور عوامی بہبود کے مقصد کے ساتھ استعمال کیا جائے، اور نتائج کو سادہ زبان میں عوام تک پہنچایا جائے تاکہ معاشرہ خود اپنے مسائل اور ان کے حل کو سمجھ سکے۔ یوں آبادیاتی ڈیٹا سماجی ترقی کا خاموش مگر طاقتور ذریعہ بن جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مردم شماری جدید ریاست کی سیاسی، مالی اور ترقیاتی زندگی کی بنیاد ہے، مگر پاکستان میں یہ سیاسی تنازعات، انتظامی کمزوریوں اور سماجی رکاوٹوں جیسے مسائل سے گھری رہتی ہے جن کا حل باقاعدگی، شفافیت اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں ہے۔ دوسری طرف آبادیاتی ڈیٹا کے استعمال کے سماجی پہلو بتاتے ہیں کہ اعداد و شمار محض اعداد نہیں ہوتے بلکہ ان سے وسائل کی تقسیم، کمزور طبقات کی فلاح، سماجی شعور اور عوام کا اعتماد جُڑا ہوتا ہے۔ جب ڈیٹا درست ہو اور اس کا استعمال منصفانہ اور شفاف ہو تو یہ معاشرے کی متوازن ترقی میں سب سے بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔